

اصنافِ نظم

بہ لحاظ حیثیت

مثنوی

مثنوی کی تعریف سر کریں !
 مثنوی عربی لفظ ہے۔ اس سے مراد ہے وہ مسلسل نظم جس کے ہر شعر
 میں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوں۔ مثنوی
 طرح کے خیالات، واقعات اور مطالب ادا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے
 مفید اور وسیع صنفِ شعر ہے۔ خصوصاً واقعہ نگاری کے لیے سب
 پر کارآمد ہے۔ اخلاقی، مذہبی اور تاریخی موضوعات پر مثنویاں لکھی
 جاتی ہیں۔ مثنویوں میں قدرتی مناظر، معاشرتی رسوم و رواج، انسانی جذبات و
 حالت وغیرہ کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔

مثنوی میں قصیدے یا غزل کی طرح شروع سے آخر تک قافیہ یار و یف
 ہوتی ہیں۔ ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مثنوی کے
 شعرا کی تعداد بھی مقرر نہیں ہوتی۔ فارسی میں سینکڑوں اور ہزاروں اشعار کی

شعریاں ملتی ہیں۔ مثنوی عموماً چھوٹی بحر میں لکھی جاتی ہے۔ نظمی مثنوی پانچ مثنویاں پانچ مختلف اوزان میں لکھی ہیں۔ امیر خسرو نے تین اوزان میں کیا ہے پرانی مثنویوں میں ان مقررہ اوزان کی پابندی کی گئی ہے مگر ترتیب اور اس کے علاوہ دوسرے وزن میں بھی مثنوی لکھنا جائز ہے۔ مثنوی میں خاص طور پر ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔ پہلے حمد و ثناء و منقبت پھر بادشاہ کی فروع اس کے بعد وجہ تالیف اور اس کے بعد اصل قصہ یا داستان شروع ہوتی ہے جسے مختلف ضمنی عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ حسن ترتیب ایک معیاری مثنوی میں متدرجہ ذیل خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ ربط و تسلسل: مثنوی کے تمام اشعار ایک دوسرے سے اس طرح ہونے چاہئیں جس طرح زنجیر کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں تاکہ درمیان کوئی خلا نہ رہنے پائے۔

۲۔ حسن ترتیب: مثنوی نگار مختلف تفصیلات، واقعات و جزئیات و جذبات اور خارجی مناظر کو مثنوی کی لکھی میں پروتا ہے، ایک اچھی مثنوی ان سب باتوں کے درمیان حسن ترتیب قائم رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ وضاحت بیان: مختلف چیزوں کے اوصاف اور خوبیوں کے بیان کوئی ابہام نہ ہو، ہر شے کی خوبیاں اس کی حیثیت کے مطابق ہونی چاہئیں مثلاً کسی باغ کی تعریف میں یہ کہنا کہ خوبصورت ہے، بے نظیر ہے،

ہیں ہے تاہنہ حقیقی ہے۔ ضروری ہے کہ ملوے کی نذر داری، بچوں کی
رنگت اور خوشبو، خوشوں کی مصفا، شہرائی اور چوکی اظافت اور رنگ وغیرہ
لا کر کیا جائے، اس طرح سب دو پلوؤں کی کشتی دکھائے تو یہ کہنا کہ
غیب کرے، بڑا متاثر کیا، بڑا زور دیا؟ غلط ہوگا بلکہ پلوؤں کے مخصوص
داروں کا ذکر کرنا چاہیے، یعنی کسی چیز کے اوصاف ایک ماہرین کی طرح دکھانا
سے بیان کرنے ضروری ہیں۔

۴۔ جہیزیات نگاری : ہر واسطے اور منظر کو جزئیات سمیت بیان کرنا ضروری
ہے۔

۵۔ گیر کیٹر کی انفرادیت : مثنوی میں ہر طرح کے کرداروں کا ذکر ہوتا ہے۔
مثلاً عالم اور جاہل، امیر اور غریب، جوان اور بوڑھا، مرد اور عورت، بادشاہ اور
غیر سپاہی اور تاجر، ایک اچھی مثنوی میں ہر کردار کی انفرادی خصوصیات
برقرار رہتی ہیں۔ نوکر کی گنگو اور عادات و اطوار سے اس کی ٹھکوری ظاہر ہوگی
بچے اکثر نمل بوڑھے سے مختلف ہوگا۔

۶۔ گیر کیٹر کا اتحاد : ہر شخص کا ایک خاص گیر کیٹر ہوتا ہے، جس میں آخر
تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً اگر کسی کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ ہمارا
جہاد ہے اس سے بڑا لائق حرکات صادر ہوں تو یہ مثنوی کی خامی شمار ہوگی۔
۷۔ نگار نگاری سے اجتناب : واقعہ نگاری میں اس بات کا خیال رکھا

رکھا جاتا ہے کہ ایک بیان دوسرے کی تکذیب نہ کرے۔

۵۔ فطری پن : اچھی مثنوی میں تمام باتیں اور حالتیں عام انسانی تجربے اور مشاہدے کی عکاس ہوتی ہیں۔ کوئی چیز یا کیفیت خلل فطرت نہ پہنچا دے اور نہ واقعہ مشکوک ٹھہرے گا۔ مثلاً دو مختلف موسموں کی فصلوں یا پھلوں کو اکٹھے دکھانا غلط ہوگا۔

۶۔ زبان و بیان : ہر حالت و کیفیت کے بیان میں الفاظ و تراکیب اور استعارہ اور صنائع بلاغیہ موزوں، مناسب اور بر محل ہوں تاکہ واقعہ یا واقعہ کی صحیح تصویر کھنچ جائے۔

نظم و نثر

عام مثنوی نگار ارزنگاہ

شعر ادبی نام : عربی میں مثنوی کا وجود نہ تھا۔ یہ فارسی شعر کی حدیث طبع کا اثر تھا۔

نظامی، فردوسی، مولانا روم، سعدی، خسرو وغیرہ معروف فارسی مثنوی نگار

دکنی دور کی مثنوی اردو اصناف شعر کی قدیم ترین صنف شعر ہے۔ دکنی دور میں کثرت

مرزا نوری لکھی گئیں، جن میں رسمی کی خاور نامہ، نصرتی کی گلشن عشق، سمرانی

کے نام کے ہرستان خیال، ملا وجہی کی قطب مشتری اور محمود بھری کی من لکھن مشہور ہیں

قطب شاہ، غواصی اور نشاطی کی مثنویات بھی اہم ہیں۔ بعد کے دور میں

مثنوی گوؤں میں میر اثر، میر تقی، میر حسن، جبرأت اور مومن، دیبا شکر

مثنوی گوؤں منظر نامہ

مرزا شوق شامل ہیں۔

میر حسن کی "سحر البیان" ایک بلند پایہ اور معیار می مشنوی ہے۔
 اس کی بحر و اس اور شگفتہ ہے داخلی احساسات کے ساتھ خارجی زندگی
 کا تصویر عکاسی کی گئی ہے۔ مصوری اور منظر نگاری کے فطری اور
 جواب نمونے ملتے ہیں۔ میر حسن نے مثنوی کے ذریعے ایک خاص دور
 اداس کی تہذیب و ثقافت کو زندہ جاوید بنا دیا۔ زبان سادہ اور
 فصیح مثنوی کا خاتم اور اس کی خاتون کی

مقبولیت اور معیار کے لحاظ سے دیا شنکر نسیم کی "محو زبیر" دوسرے
 نمونے۔ اختصار و ایجاز اس کا سب سے بڑا وصف ہے۔ اس پر
 داستان لکھنوی کا رنگ غالب ہے۔ نسیم نے آرائش لفظی کا بڑا اہتمام
 کیا ہے۔ اس میں مصوری، نازک خیالی اور بندش الفاظ کے عمدہ نمونے
 ملتے ہیں۔ "مومن کی مثنوی" جس کا بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ نواب مرزا کی
 مثنوی نے قریب عشق، "بہار عشق" اور "ہر عشق" کے نام سے مثنویاں
 لکھیں۔ "زیر عشق" زبان کی سادگی، طرز ادا کی بے ساختگی، محاورات کی
 رنگارنگی، سوز و گداز اور تاثیر کے اعتبار سے ایک عمدہ مثنوی ہے۔

عسکری کی "نعت یہ مثنویوں میں صبح تجلی"، "چراغ کعبہ" اور "لکھنوی"
 "نعت نہایت دلچسپ اور بڑی تاثیر ہیں۔ تسلیم، امیر بیانی، داغ اور
 "نعت نہایت" نے بھی متعدد مثنویاں لکھیں۔

حالی نے شاعری میں اصلاح کا بیڑہ اٹھایا تو اس سے مشنوی متوجع اور نکھار پیدا ہوا۔ دورِ جدید میں حفیظ جالبی کی مشنوی کا شاہ نامہ ہے۔ ایک اچھی مشنوی ہے۔ علامہ اقبال کی مشنوی "ساقی نامہ" حقائق کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے ایک وسیع و عریض سمندر کو گونڈے بند کر دیا ہے۔ جوش، روانی اور بے ساختگی میں "ساقی نامہ" اپنی مثال آپ ہے۔ بعض معروف مشنویوں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پھر نہ آئی اسے خبر اس کی
صبرِ رخصت ہوا آہ کے ساتھ
خاک میں مل گئی وہ رعنائی

(میر تقی میر، مشنوی دریائے مشن)

دُراشک سے چشم بھرنے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگی
اکیلی لگی رونے منہ دھوا دھاب
نہ کھانا، نہ پینا، نہ لب کھونا
محبت میں دن رات گھٹنا
تو اٹھنا سے کہ کے ہاں بی جا
یہ دن کی جو پوچھی کوئی رات کی

پڑ گئی اس پر اک نظر اس کی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
وہ گئی، اس کے سر بلا آئی،

تپ بھر گھر دل میں کرنے لگی
خفا زندگی سے ہونے لگی
تپ غم کی شدت سے وہ کانپ کانپ
نہ اگلا سا ہنسنا، نہ وہ بولنا
جہاں بیٹھنا، پھر نہ اٹھنا اُسے
کہا اگر کسی نے کہ بی بی چلو
کسی نے جو کچھ بات کی بات کی

رباعی

رباعی عربی لفظ "رباع" سے بنا ہے۔ رباعی میں "رباعی" سے
 گویا رباعی کے لغوی معنی ہیں چار واسطے۔ اصطلاح میں اس میں
 نظم کو کہتے ہیں جس کے چار مصرعوں میں ایک متعلق مضموں ادا کیا گیا
 رباعی کو ترانہ یا دہائی بھی کہتے ہیں۔

رباعی بحر ہزج مثنوی (اخر ب یا اخر م) میں لکھی جاتی ہے۔
 کے چوتھیں اوزان مقرر ہیں۔ رباعی کے چھ، دو سہرے اور
 مصرع میں قافیہ لانا ضروری ہے۔ تیسرے مصرع میں بھی قافیہ
 لایا جاسکتا ہے۔ مجموعہ ۵۵

رباعی کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں، حمد، نعت، نفیبت
 کی بے ثباتی، قصوت، فلسفہ، عشق، سیاست، اخلاقیات، سماج
 منظر نگاری، غرض دنیا کے ہر موضوع پر رباعی کہی جاسکتی ہے۔
 موضوع اس کا دامن بے حد وسیع ہے۔

رباعی مقررہ اوزان کے مطابق ہونی چاہیے۔ وزنہ ۱۱
 قطعہ شمار ہوگی، رباعی کے دو مصرعوں بالخصوص چوتھے مصرعے

کی عمدگی اور تاثیر کا انحصار ہوتا ہے، اس لیے آخری مصرع زندہ رہنا چاہیے۔ چونکہ رباعی میں ایک وسیع مضمون کو سمیٹ کر بیان کیا جاتا ہے، اس لیے ایجاز و اختصار اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔ رباعی اپنی نوعیت و خصوصیات کی بنا پر ایک شکل صنفِ سخن ہے۔ ہر شاعر معیاری رباعی نہیں کہہ سکتا۔

معیار رباعی فارسی شعر کی ایجاد ہے۔ اردو کی اولین رباعی گوہا جاتا ہے۔ فارسی میں باباطاہ، عریاں، عمر خیام، سرمد، ابوسعید ابوالخیر، فرید الدین عطار، سعدی وغیرہ معروف رباعی گوہیں۔ اردو کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر نے رباعیاں کہی ہیں۔ اردو میں حمدیہ، نصتہ، مدحیہ، غریب، عشقیہ، فلسفیہ اور اخلاقی غرض ہر نوعیت کی رباعیاں موجود ہیں۔ قلی قطب شاہ، سراج اورنگ آبادی، دکنی، دود، سودا، مسر، انشراح، میر حسن، نظیر، ذوق، غالب، نوٹس، انیس، دبیر، حالی، اکبر وغیرہ نے معیاری رباعیاں لکھی ہیں۔ جدید میں اقبال، امجد حیدر آبادی، جوش، حافظ افضل فقیر، مقصود زہری، شمس الرحمن فاروقی، یگانہ، فانی، ذاق محروم، عبداللہری آسی، اثر صہبائی اور دیگر بہت سے شاعروں نے رباعی کی طرف توجہ دی۔ بعض شاعروں رباعیات کے مجموعے بھی شائع کیے۔

رباعی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :